اسلام کے فلسفۂ تربیتِ اولاد کی عصری معنویت، ایک تحقیقی جائزہ

Contemporary Significance of Islamic Philosophy of Child Training, A Research Review

Dr. Hafiz Muhammad Hassan[1]
Dr. Ghulam Mustafa[2]

Abstract:

The Islamic philosophy of child training holds profound significance in navigating the complexities of contemporary society. This research review explores the enduring relevance and contemporary applications of Islamic principles in nurturing and educating children. Drawing from a diverse range of scholarly works and empirical studies, the review explains the foundational concepts and practical implications embedded within Islamic teachings on child upbringing. Examining the intersection of tradition and modernity, the review highlights the adaptive nature of Islamic pedagogy in addressing the evolving needs and challenges of the present era. It delves into key themes such as moral development, character building and the cultivation of empathy and resilience within the framework of Islamic ethics and values. Furthermore, the review examines the role of family, community and educational institutions in fostering holistic child development grounded in Islamic principles. By synthesizing insights from interdisciplinary perspectives, this research review contributes to a deeper understanding of the contemporary significance of the Islamic philosophy of child training in nurturing virtuous individuals capable of contributing positively to society.

Keywords: *child training, Islamic principles, character building, socital complexities*

بدلتی ہوئی دنیا میں بچوں کی تربیت کے مؤثر طریقہ کار کی اہمیت ثقافتی اور مذہبی حدود سے بالاتر ہے۔ اسلامی فلسفہ کے تناظر میں، بچوں کی پرورش کے اصول صدیوں سے معاشرتی تانے بانے کا لازمی جزو رہے ہیں۔ عصر حاضر میں، تیزی سے عالمگیریت اور ثقافتی تبدیلیوں کے درمیان، بچوں کی تربیت پر اسلامی تعلیمات کی مطابقت برقرار ہے اور قریب سے جانچنے کی ضرورت ہے۔ دینِ اسلام اولاد کی تربیت کا ایک بہترین اور قابلِ عمل لائحہ عمل پیش کرتا ہے جس پر عمل کر کے بہترین نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

تربیت کا مفہوم:

[1]. Chairman, Department of Islamic Studies, University of Chakwal hassaan.ubaid@uoc.edu.pk
[2]. Senior Subject Specialist (Islamic Studies), QAED Chiniot

تربیت کا ماخذ تَرْبِّیْ ہے جس کے معنی نشوونما، بڑھنا، مہذب ہونا، تعلیم پانا۔ جیسے تربیۃ النحل مکھیوں کا پالنا۔

امام راغب نے تربیت کے لیے الرَّبُّ[3] کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو تدریجاً نشوونما دے کر حد کمال تک پہنچانا۔ اور رَبَّه، وَرَبَّاهُ، وَرَبَّبَهٗ تینوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے کسی نے کہا:

"لَاَنْ يَرُبِّنِيْ رَجُل مَنْ قريش أحبّ إليّ من أن يربّني رجل من هوازن۔"[4]

"کسی قریشی کا سردار ہونا مجھے اس سے زیادہ عزیز ہے کہ بنی ھوازن کا کوئی آدمی مجھ پر حکمرانی کرے۔"

لفظ 'رب' اصل میں مصدر ہے اور استعارۃ بمعنی فاعل استعمال ہوتا ہے اور مطلق یعنی اضافت اور لام تعریف سے خالی ہونے کی صورت میں سوائے اللہ تعالیٰ کے، جو جملہ موجودات کے مصالح کا کفیل ہے، اور کسی پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُوْرٌ۔"[5]

"عمدہ شہر اور آخرت میں گناہ بخشنے والا پروردگار۔"

اور اضافت کے ساتھ اللہ پر بھی بولا جاتا ہے اور دوسروں پر بھی۔ چنانچہ فرمایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔"[6]

"تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔"

ربّ الدار یعنی گھر کا مالک۔[7]

---

[3]۔ امام راغب اصفہانی، المفردات القرآن، لاہور: اسلامی اکادمی، ۲۰۰۶ء، ۱/۳۹۵۔

Imam Raghib Asfahani, *Al-Mufridāt al-Qur'ān*, Lahore: Islami Academy, 2006, 395/1

[4]۔ کیرانوی، وحید الزماں، القاموس الاصطلاحی، کراچی: دار الاشاعت، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۵۲۔

Kairanwi, Waheed uz Zaman, *Al-Qāmūs al Islāhī*, Karachi: Dār al Ashā'at, 2011, p152

[5]۔ السبا: ۳۴/۱۵۔

Sabā, 34: 15

[6]۔ الفاتحۃ: ۱/۱۔

Al-Fātiha, 1:1

[7]۔ امام راغب اصفہانی، مفردات القرآن، ۱/۳۹۷۔

Imam Raghib Asfahani, *Al-Mufridāt al-Qur'ān*, 397/1

تفسیر روح المعانی بھی لفظ "رب" کو تربیت کا ماخذ بتایا گیا ہے۔[8] اور تربیت عربی میں کہتے ہیں:

"تبلیغ الشئ الی کماله بحسب استعداده لا ولی شیئا فشیئا۔"[9]

"کسی چیز کو اس کی اولی استعداد و فطری صلاحیت کے مطابق بتدریج مرتبہ کمال تک پہنچایا۔"

گویا تربیت ایک مسلسل اور تدریجی عمل ہے اور اس کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ انسان کی خداداد پوشیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر کسی خاص نصب العین کے لیے عوامل مہیا کرنا، تربیت کہلاتا ہے۔

جہاں تک دینی واخلاقی تربیت کا تعلق ہے تو اس سے مراد ہے کہ بچوں کو اس قابل بنادیا جائے کہ وہ خود کو رزائل سے دور رکھیں اور نیکیوں کی طرف مائل رہیں۔یعنی ان کا فطری رجحان بھلائی اور نیکی کی طرف ہو۔قرآن پاک میں تزکیہ کا لفظ قریب قریب انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ۔"[10]

"وہ تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے۔"

گویا تزکیہ کا معنی قرآن میں روحانی بالیدگی و باطنی پاکیزگی بیان ہوا ہے اور تزکیہ نفس سے ہی فرد میں اوصاف حمیدہ پیدا ہوتے ہیں اور اس کی فطرت طبع میں بھلائی اور نیکی کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے، اور یہی دینی واخلاقی تربیت کا حاصل ہے۔ گویا مناسب الفاظ میں تربیت کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے:

رشد وپرورش کے تمام اسباب ولوازمات کو فراہم کرنا اور کمال وسعادت مطلوب تک پہنچانے کے لئے انسان کے تمام استعدادات اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانا۔اس تعریف میں درج ذیل خصوصیات ہیں:

ا۔اس تعریف میں اس حقیقت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انسان کے اندر ایسی صلاحیت ،طاقت اور استعداد پائی جاتی ہے جسے تربیت کے ذریعے فعلیت دی جاسکتی ہے۔

۲۔ تربیت سے مراد مخصوص انسانی تربیت ہے، جو لفظ انسان اور کمال مطلوب کے ذکر سے سمجھ میں آتی ہے۔

---

[8]۔علامہ آلوسی، محمود شکری، تفسیر روح المعانی فی تفسیر القرآن الکریم والسبع المثانی، مصر: ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، ۲۰۰۸ء، ۱۴/۱۔

Allama Aaloosi, Mahmood Shakri, *Tafseer Rooh al-Ma'ānī fī Tafseer al-Qur'ān Al-Karīm wa al-Sab'a al Masānī*, Egypt: Idārah Al Tabā'ah al Munīriah, 2008, 14/1

[9]۔الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، ۲۳/۱۔

Al Azhari, Pir Muhammad Karam Shah, *Ziā ul Qur'ān*, Lahore: Zia ul Quran Publications, 23/1

[10]۔البقرۃ: ۱۵۱/۲۔ Al Baqarah, 2: 151

۳۔انسان کی تربیت بھی اس کی مختلف صلاحیتوں کو مد نظر رکھ کر ہونی چاہیے۔رشد وپرورش کے الفاظ سے یہی معنی سمجھے جاتے ہیں جو تربیت کے ہر پہلو کو شامل ہیں۔

۴۔اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ تربیت کا یہ سسٹم ایک مخصوص ہدف اور مقصد کے تحت انجام پاتا ہے۔اس تعریف میں سعادت وکمال کے کلمات سے تربیت کے اہداف کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

۵۔تربیت کے اہم ترین پہلوؤں میں سے ایک اہم پہلو، معنوی تربیت اور باطنی خود سازی ہے۔انسان راہ خدا میں اپنے کو ریاضت، عبادت اور کوششوں کے ذریعے اپنے نفس کی اصلاح کرتا ہے۔

تربیتِ اولاد کی ضرورت واہمیت:

اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اولاد کی تربیت کو والدین کی اہم ذمہ داری قرار دیا ہے۔جب اللہ تعالیٰ انسان کو اولاد کی صورت میں نعمت دے تو اس پر لازم ہے کہ ان کی صحیح تربیت کریں، والدین بچے کے مربی ہوتے ہیں جسمانی طور پر بھی اور روحانی طور پر بھی۔اس لئے جہاں والدین بچہ کی جسمانی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ہمارا بچہ جسمانی طور پر تندرست وتوانا بنے وہیں علم وادب سکھانے کی بھی کوشش کرنا ان کی ذمہ داری بنتی ہے۔جب ماں باپ بچوں کی تربیت اچھی طرح کرتے ہیں تو پھر بچوں کے جسم ہی نشو ونما نہیں پاتے بلکہ ان کے دل ودماغ کی صلاحیتیں بھی پروان چڑھتی ہیں۔ایک مقولہ ہے کہ ''جو شخص بچے کو بچپن میں ادب سکھاتا ہے وہی بچہ بڑا ہو کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے۔'' اس لئے والدین کو بچوں کی تربیت سے ذرا بھی غفلت نہیں برتنی چاہئے۔یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے وہ کسان جو اپنے کھیت پر محنت نہیں کرتا، اس کے کھیت میں بہت سی ایسی خودرو جڑی بوٹیاں اُگ آتی ہیں جو اس کی فصل کو خراب کر دیتی ہیں اسی طرح والدین جب بچے کی تربیت کا خیال نہیں کرتے تو بچے کے اندر بہت سے برے اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں جو اس کی اصل شخصیت کو بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ ، أَوْ يُنَصِّرَانِهِ ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ۔'' [11]

"ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔"

---

[11]۔ مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، باب معنٰی کل مولد یولد علی فطرۃ، الریاض: دار السلام للنشر والتوزیع، ۲۰۰۰ء، رقم الحدیث: ۶۷۵۵۔

Muslim bin Hujjaj, *Al Jāme Al Sahīh*, Riyadh: Dar us Salam li Nashr wa al Touzī, 2000, Hadith No. 2755

بنیادی طور پر بچے کی شخصیت پر تین چیزوں کے اثرات پڑتے ہیں۔ سب سے پہلے اس کے والدین اور گھر یا خاندان کا اثر، پھر اس کے ماحول کا اثر اور پھر جس مدرسے یا سکول میں وہ پڑھنے جاتا ہے اس کا اثر پڑتا ہے۔

والدین کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کے لیے صحیح تربیت کے ساتھ ساتھ صحیح راستہ کے تعین میں بھی ان کی رہنمائی کریں۔ بچے کی زندگی کا پہلا مسکن ماں کی شفقت بھری گود ہوتی ہے۔ آغوشِ مادر کے ان برسوں میں ماں بچوں کے لیے مرشد کا کام کرتی ہے۔ ماں اگر بچے پر محنت کرے تو یہ ماں کی گود سے مادر زاد ولی ثابت ہو سکتے ہیں، اس لئے ماں کی تربیت کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ ماں اپنے بچے کی تربیت کا خیال اسی دن سے رکھے جس دن بچہ پیدا ہو۔

بچے مستقبل میں قوم کے معمار ہوتے ہیں، اگر اُنہیں صحیح تربیت دی جائے تو اس کا مطلب ہے ایک اچھے اور مضبوط معاشرے کے لیے ایک صحیح بنیاد ڈال دی گئی۔ بچوں کی اچھی تربیت سے ایک مثالی معاشرہ اور قوم وجود میں آتی ہے، اس لیے کہ ایک اچھا پودا ہی مستقبل میں تناور درخت بن سکتا ہے۔ بچپن کی تربیت پتھر پر لکیر کی مانند ہوتی ہے، بچپن میں ہی اگر بچوں کی صحیح دینی واخلاقی تربیت اور اصلاح کی جائے تو بلوغت کے بعد بھی وہ ان پر عمل پیرا رہے گا۔ اس کے برخلاف اگر درست طریقہ سے ان کی تربیت نہ کی گئی تو بلوغت کے بعد ان سے بھلائی کی زیادہ توقع نہیں کی جاسکتی، نیز بلوغت کے بعد وہ جن بُرے اخلاق واعمال کے مرتکب ہوں گے، اس کے ذمہ دار اور قصوروار والدین ہی ہوں گے، جنھوں نے ابتدا ہی سے ان کی صحیح رہنمائی نہیں کی۔ نیز! اولاد کی اچھی اور دینی تربیت دنیا میں والدین کے لیے نیک نامی کا باعث اور آخرت میں کامیابی کا سبب ہے، جب کہ نافرمان وبے تربیت اولاد دنیا میں بھی والدین کے لیے وبالِ جان ہو گی اور آخرت میں بھی رسوائی کا سبب بنے گی۔ لفظِ ''تربیت'' ایک وسیع مفہوم رکھنے والا لفظ ہے، اس لفظ کے تحت افراد کی تربیت، خاندان کی تربیت، معاشرہ اور سوسائٹی کی تربیت، پھر ان قسموں میں بہت سی ذیلی اقسام داخل ہیں۔ ان سب اقسام کی تربیت کا اصل مقصد وغرض ٗ عمدہ، پاکیزہ، بااخلاق اور باکردار معاشرہ کا قیام ہے۔ تربیتِ اولاد بھی اُنہیں اقسام میں سے ایک اہم قسم اور شاخ ہے۔ ظاہری اعتبار سے تربیت میں اولاد کی ظاہری وضع قطع، لباس، کھانے، پینے، نشست وبرخاست، میل جول، اس کے دوست واحباب اور تعلقات ومشاغل کو نظر میں رکھنا، اس کے تعلیمی کوائف کی جانکاری اور بلوغت کے بعد اس کے ذرائع معاش جیسے کی نگرانی وغیرہ امور شامل ہیں، یہ تمام امور اولاد کی ظاہری تربیت میں داخل ہیں۔ اور باطنی تربیت سے مراد اُن کے عقیدہ وفکر اور اخلاق وکردار کی اصلاح ودرستی ہے۔ اولاد کی ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی تربیت والدین کے ذمہ فرض ہے۔ ماں باپ کے دل میں اپنی اولاد کے لیے بے حد رحمت وشفقت کا فطری جذبہ اور احساس پایا جاتا ہے۔ یہی

پدری ومادری فطری جذبات واحساسات ہیں جو بچوں کی دیکھ بھال، تربیت اوراُن کی ضروریات کی کفالت پر اُنہیں اُبھارتے ہیں۔ماں باپ کے دل میں یہ جذبات راسخ ہوں اور ساتھ ساتھ اپنی دینی ذمہ داریوں کا بھی احساس ہو تو وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریاں احسن طریقہ سے اخلاص کے ساتھ پوری کر سکتے ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں اولاد کی تربیت کے بارے میں واضح ارشادات موجود ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔"[12]

"اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔"

اولاد کی تربیت کی اہمیت کا اندازہ ان احادیث سے بھی ہوتا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"ما نَحَلَ والِدٌ ولدَه، أَفْضَلَ من أَدَبٍ حَسَنٍ۔"[13]

"کوئی باپ اپنی اولاد کو اس سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتا کہ اس کو اچھے آداب سکھادے۔"

یعنی اچھی تربیت کرنا اور اچھے آداب سکھانا اولاد کے لیے سب سے بہترین عطیہ ہے۔سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! والدین کے حقوق تو ہم نے جان لیے، اولاد کے کیا حقوق ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أن يحسن اسمه ويحسن أدبه۔"[14]

"وہ یہ ہے کہ اس کا نام اچھا رکھے اور اس کی اچھی تربیت کرے۔"

یہ بات بھی بچوں کو ضائع کرنے کے مترادف ہے کہ ان کو یونہی چھوڑدیں کہ وہ بھٹکتے پھریں، صحیح راستہ سے ہٹ جائیں، عقائد واخلاق برباد کر بیٹھیں۔نیز اسلام کی نظر میں ناواقفیت کوئی عذر نہیں ہے، بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں جن امور کا جاننا ضروری ہے، اُس میں کوتاہی کرنا قیامت کی بازپرس سے نہیں بچا سکتا۔عبداللہ بن عمرؓ کا ارشاد ہے:

---

[12]۔ التحریم:٦٦/٦۔

Al Tahreem, 66:6

[13]۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ، الجامع، ابواب البر والصلۃ، الریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، الطبعۃ الاولی ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۱۹۵۲۔

Tirmidi, Muhammad bin Essa bin Surah, *Al Jāme*, Riyadh: Dar us Salam li Nashr wa al Touzī, 1999, Hadith: 1952

[14]۔ بزار، احمد بن عمرو بن عبدالخالق، مسند البزار، بیروت: دارالکتب العلمیہ، ١٧٦/١٥، رقم الحدیث: ۸۵۴۰۔

Bazzar, Ahmad bin Amr bin Abdul Khaliq, *Masnad al Bazzār*, Beirut: Dār al Kutub al Ilmiyah, 176/ 15, Hadith: 8540

"اپنی اولاد کو ادب سکھلاؤ، قیامت والے دن تم سے تمہاری اولاد کے بارے میں پوچھا جائے گا، کہ تم نے اسے کیا ادب سکھلایا اور کس علم کی تعلیم دی۔"[15]

بچوں کی حوصلہ افزائی ضروری ہے۔ بچہ نرم گیلی مٹی کی طرح ہوتا ہے، ہم اس سے جس طرح پیش آئیں گے، اس کی شکل ویسی ہی بن جائے گی۔ بچہ اگر کوئی اچھا کام کرے تو اس کی حوصلہ افزائی کے لیے اس کی تعریف سے دریغ نہیں کرنا چاہیے اور اس پر اُسے شاباش اور کوئی ایسا تحفہ وغیرہ دینا چاہیے جس سے بچہ خوش ہو جائے اور آئندہ بھی اچھے کام کا جذبہ اور شوق اس کے دل میں پیدا ہو جائے۔ بچوں کی غلطی پر اُنہیں تنبیہ کرنے کا حکیمانہ انداز بچوں کو کسی غلط کام پر بار بار اور مسلسل ٹوکنا اُن کی طبیعت میں غلط چیز راسخ ہونے سے حفاظت کا سبب بنتا ہے، جس سے اگر غفلت نہ برتی جائے تو اس میں شک نہیں کہ بچوں اور بچیوں میں غلط افکار جڑ پکڑنے سے پہلے ہی کامل طریقہ سے ان کی بیخ کنی ہو جائے گی۔ بچے سے کوئی غلطی ہو جانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے، غلطی تو بڑوں سے بھی ہو جاتی ہے۔ ماحول کا بچوں پر گہرا اثر ہوتا ہے، ممکن ہے کہ غلط ماحول کی وجہ سے بچہ کوئی غلطی کر بیٹھے، تو اس صورت حال کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ بچے سے غلطی کس سبب سے ہوئی؟ اسی اعتبار سے اسے سمجھایا اور تنبیہ کی جائے۔ تربیت میں میانہ روی اور اعتدال کا راستہ اختیار کرنا چاہیے، مربی کو اس بات سے باخبر ہونا چاہیے کہ اس وقت بچہ کے لیے نصیحت کارگر ہے یا سزا؟ تو جہاں جس قدر سختی اور نرمی کی ضرورت ہو اسی قدر کی جائے۔ بہت زیادہ سختی اور بہت زیادہ نرمی بھی بعض اوقات بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔ تربیت میں تدریجی انداز اختیار کرنا چاہیے، چنانچہ غلطی ہو جانے پر بچوں کی تربیت حکمت کے ساتھ کی جائے، اگر پہلی مرتبہ غلطی ہو تو اولاً اُسے اشاروں اور کنایوں سے سمجھایا جائے، صراحۃً برائی کا ذکر کرنا ضروری نہیں۔ اگر بچہ بار بار ایک ہی غلطی کرتا ہے تو اس کے دل میں یہ بات بٹھائیں کہ اگر دوبارہ ایسا کیا تو اس کے ساتھ سختی برتی جائے گی، اس وقت بھی ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت نہیں ہے، نصیحت اور پیار سے اُسے غلطی کا احساس دلایا جائے۔ اگر نصیحت اور آرام سے سمجھانے کے بعد بھی بچہ غلطی کرے تو اُسے تنہائی میں ڈانٹا جائے اور اس کام کی برائی بتائی جائے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا کہا جائے۔ پھر بھی اگر باز نہ آئے تو تھوڑی بہت مار پیٹ بھی کی جاسکتی ہے۔ تربیت کے یہ طریقے نوعمر بچوں کے لیے ہیں، لیکن بلوغت کے بعد تربیت کے طریقے مختلف ہیں، اگر اس وقت نصیحت سے نہ سمجھے تو جب تک وہ اپنی برائی سے باز نہ آئے اس سے قطع تعلق بھی کیا جاسکتا ہے، جو شرعاً درست

15۔ بیہقی، احمد بن حسین، شعب الایمان، باب فی حقوق الأولاد والأھلین، الریاض: مکتبہ الرشد للنشر والتوزیع، ۴۶۳/۲، رقم الحدیث: ۸۶۶۷۔

Beihqi, Ahmad bin Hussain, *Shaib al Eimān*, Riyadh: Maktabah al Rushd li Nashr wa al Touzī, 463/2, Hadith: 8667

ہے اور کئی صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہے۔ بچوں کی تربیت کے لیے ماں باپ یا استاد کا اُنہیں تھوڑا بہت، ہلکا پھلکا مارنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ بعض اوقات ضروری ہو جاتا ہے۔ اس معاملہ میں افراط و تفریط کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ غصہ میں بے قابو ہو جانا اور حد سے زیادہ مار کٹائی کرنا یا بچوں کے مارنے ہی کو غلط سمجھنا دونوں باتیں غلط ہیں۔ پہلی صورت میں افراط ہے اور دوسری میں تفریط ہے۔ اعتدال کا راستہ وہ ہے جو نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا:

"اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو، جبکہ وہ سات سال کے ہو جائیں اور ان کو نماز نہ پڑھنے پر مارو، جبکہ وہ دس سال کے ہو جائیں۔"[16]

اس حدیث سے مناسب موقع پر حسبِ ضرورت مارنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ مارنے میں اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ اس حد تک نہ مارا جائے کہ جسم پر مار کا نشان پڑ جائے۔ نیز جس وقت غصہ آ رہا ہو، اس وقت بھی نہ مارا جائے، بلکہ بعد میں جب غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس وقت مصنوعی غصہ ظاہر کر کے مارا جائے، کیونکہ طبعی غصہ کے وقت مارنے میں حد سے تجاوز کر جانے کا خطرہ ہوتا ہے اور مصنوعی غصہ میں یہ خطرہ نہیں ہوتا، مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے اور تجاوز بھی نہیں ہوتا۔ لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح دینا گناہ ہے اولاد اللہ تعالیٰ کی بیش بہا نعمت اور تحفہ ہے، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے بچوں پر رحم و شفقت کے معاملہ میں مذکر و مؤنث میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ جو والدین لڑکے کی بہ نسبت لڑکی سے امتیازی سلوک کرتے ہیں، وہ جاہلیت کی برائی میں مبتلا ہیں، اس طرح کی سوچ اور عمل کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ دینی اعتبار سے تو اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ لڑکی کو کمتر سمجھنے والا در حقیقت اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے سے ناخوشی کا اظہار کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے لڑکی دے کر کیا ہے، وہ تو کیا، پوری دنیا بھی مل کر اللہ تعالیٰ کے اس اٹل فیصلہ کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ یہ در حقیقت زمانۂ جاہلیت کی فرسودہ اور قبیح سوچ ہے جس کو ختم کرنے کے لیے نبی ﷺ نے والدین اور تربیت کرنے والوں کو لڑکیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے کی بار بار نصیحت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اعدلوا بين أبنائكم اعدلوا بين أبنائكم اعدلوا بين أبنائكم۔"[17]

---

[16] ۔ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب الصلاۃ، باب متیٰ یؤمر الغلام بالصلاۃ، الریاض: دار السلام للنشر والتوزیع، ۲۰۰۹ء، رقم الحدیث: ۴۹۵۔

Abu Dawūd, Suleman bin Ash'as, *Al Sunan*, Riyadh: Dar us Salam li Nashr wa al Touzī, 2009, Hadith: 495

[17] ۔ایضاً، کتاب الصلوٰۃ، باب فی الرجل یفضل بعض ولدہ فی النحل، رقم الحدیث: ۳۵۴۴۔

Ibid, Book: al Salāh, Hadith: 3544

"اپنے بچوں کے درمیان برابری کرو، اپنے بچوں کے درمیان برابری کرو، اپنے بچوں کے درمیان برابری کرو۔"

مطلب یہ ہے کہ ظاہری تقسیم کے اعتبار سے سب بچوں میں برابری کرنی چاہیے، کیونکہ اگر برابری نہ ہو تو بچوں کی دل شکنی ہوتی ہے۔ ہاں! فطری طور پر کسی بچے سے دلی طور پر زیادہ محبت ہو تو اس پر کوئی پکڑ نہیں، بشرطیکہ ظاہری طور پر برابری رکھے۔ حدیث میں تین بار مکرر برابری کی تاکید کی ہے جو اس کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے، یعنی اولاد کے درمیان برابری کرنا واجب ہے، اور برابری نہ کرنا ظلم شمار ہوگا۔ اور اس کا خیال نہ رکھنا اولاد میں احساسِ کمتری اور باغیانہ سوچ کو جنم دیتا ہے، جس کے بعد میں بہت بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں۔

اولاد جہاں ماں باپ کی پہچان اور شناخت ہوتی ہے وہاں وہ معاشرے کا سرمایہ بھی ہوتی ہے۔ ان کے اعلی اخلاق و کردار میں ماں باپ اور معاشرہ دونوں کی عزت ہے اور برے اخلاق و کردار میں ماں باپ اور معاشرہ دونوں کی بے عزتی ہے۔ سمجھ دار معاشرے اولاد کی تربیت کے سلسلے میں نہایت حساس ہوتے ہیں۔ وہی معاشرے صحیح طور پر کامیابی کے زینے طے کرتے اور دنیا میں فتح کے جھنڈے لہراتے ہیں جو اولاد کی تربیت صحیح خطوط پر کرتے ہیں۔ اسلام ہر معاملے کی طرح یہاں بھی انسانیت کا ہاتھ تھامتا ہے اور تربیتِ اولاد کے راہنما اصول مہیا کرتا ہے۔ نیک اولاد اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالی کے پاک نبی بھی دعائیں مانگتے رہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں کچھ یوں عرض کیا:

"رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ۔"[18]

"اے میرے رب! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں عرض کیا:

"رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔"[19]

"اے میرے رب! مجھے صالح اولاد عطا فرما۔"

[18] ۔آل عمران: ۳/۳۸۔

Āl i Imran, 3: 38

[19] ۔الصٰفٰت: ۳۷/۱۰۰۔

Al Sāffāt, 37: 100

تربیت اولاد کا قرآنی تصور:

تربیت ایک تدریجی عمل ہے یہ کوئی ایسا کام نہیں ہے جو چند گھنٹوں یا دنوں میں مکمل ہو جائے اس کے لیے کم از کم ایک فرد کی بلوغت تک کا زمانہ درکار ہے تاکہ جب ایک بالغ اور شریعت سے مکلف کے طور پر زندگی کا آغاز کرے تو اسے خیر و شر کے پہچاننے اور حق و باطل کے فرق کو سمجھنے میں کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے اور وہ پورے شعور کے ساتھ صراط مستقیم پر گامزن رہے۔اس لیے تربیت کے قرآنی تصور یا نظریے کو سمجھنے سے پہلے تخلیق انسانی کے مقصد کو دیکھ لیا جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَا خَلَقتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔"[20]

"اور میں نے جن اور انسان اس لیے پیدا کیے تاکہ وہ میری بندگی کریں۔"

گویا اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صرف اس لیے تخلیق کیا ہے کہ وہ ہر پل اپنے معبود حقیقی کی عبادت و بندگی میں مصروف عمل رہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مذکورہ آیت کی تشریح یوں بیان کرتے ہیں۔

"وما خلقت الجن و لانس الا لامرتهم بالعبادة"[21]

"میں نے اس لیے جن وانس کو پیدا کیا کہ انہیں حکم دوں کہ وہ میری عبادت کریں۔"

انسان کو عقل و فہم اور امتیاز و اختیار کی جو بے پایاں نعمتیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے عطا کی ہیں ان کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی جبین نیاز اللہ ہی کے سامنے جھکادے کہ وہ خالق و مالک کل ہے۔اب اگر انسان کسی اور کی پرستش کرتا ہے یا دہریت کے راستے پر چل نکلتا ہے تو گویا وہ اپنی فطرت کا باغی ہے اور اپنی فطرت سلیمہ کو مسخ کرنے جا رہا ہے کیونکہ اسے اچھی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے۔ یہاں عبادت سے مراد محض نماز روزہ اور اس طرح کی دیگر عبادات ہی کے احکام نہیں، اگرچہ وہ بھی اس میں شامل ہیں مگر یہاں مراد یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے تمام مشاغل و معاملات میں اللہ و رسول ﷺ کی مکمل پیروی کرے۔ تخلیق انسانی کے بیان کردہ اس قرآنی مقصد کو جان لینے کے بعد تربیت کے قرآنی تصور کو سمجھنا بہت آسان ہو گیا ہے کہ

---

[20]۔ الذّٰریٰت:۵۶/۵۱۔

Az Zāriyāt, 51: 56

[21]۔الازہری،ضیاءالقرآن،۶۴۰/۴۔

Al Azhari, *Zia ul Qur'ān*, 240/4

جب انسان کو پیدا کرنے کا مقصد ہی عبادت خداوندی ہے اس لیے اس مقصد کہ سامنے رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بچوں کی تربیت اس نہج پر کی جائے کہ وہ اپنی زندگی فطرت سلیمہ کے مطابق گزارنے کے قابل ہو جائیں۔

بچہ دراصل والدین کے پاس اللہ تبارک و تعالیٰ کی امانت ہے اور اس امانت کی حفاظت فقط اس صورت میں ہو سکتی ہے اسے ضائع نہ ہونے دیں۔ بچے کا دل آئینے کی طرح صاف ہوتا ہے، اس کی روح ہر عیب سے پاک ہوتی ہے، بچہ ایک قیمتی موتی کی مانند نازک اور گراں قدر ہوتا ہے، بچے کا ذہن صاف و شفاف سلیٹ کے جیسا ہوتا ہے کہ جس کی سطح پر جو بھی نقش کیا جائے وہ اسے فوراً قبول کر لیتا ہے چنانچہ اس برگ نوخیز کو اگر پیار بھرے ماحول میں سینچا جائے، اس کو قرینہ ہائے ادب سکھلائے جائیں اس کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا جائے، نیک اعمال کا عادی بنایا جائے تو وہ خود بھی دین و دنیا کی سعادتیں سمیٹے گا اور اس کے والدین اساتذہ بھی اجر و ثواب کے مستحق ٹھہریں گے۔ اور اگر خدانخواستہ بچے کی تعلیم و تربیت میں غفلت برتی جائے اور اس سے لاپروائی برتی جائے تو بچہ شر کے راستے پر چل نکلے اور نتیجتاً وہ خود بھی اس کے والدین بھی اس غفلت کی سزا بھگتیں گے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔"[22]

"اے ایمان والو، بچاؤ خود کو اور اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔"

صاحبِ بحار الانوار اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

"بدعائهم الى طاعة الله و تعليمهم الفرائض و نهيهم عن القبائح و حثهم على افعال الخير۔"[23]

اس کی ذیل میں یوں شرح بیان کی گئی ہے۔

بدعائهم الى طاعة الله: والدین کو چاہیے کہ بچوں کو اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کی تربیت دیں اور تربیت خوش طبعی اور محبت و مہربانی کے ساتھ ہوتا ہے تاکہ بچے اپنی زندگی میں اطاعت خداوندی کو مقدم رکھیں اور جب بچے ایسا کریں تو انہیں انعام یا پیار کے ذریعے شاباش دی جائے۔

---

[22] التحریم: ٦٦/٦۔

At Tahreem, 66/6

[23] مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، تہران: دار الکتب الاسلامیہ، ٧١/٨٦۔

Majlasi, Muhammad Baqir, *Bihār al Anwār*, Tehran: Dār ul Kutub al Islamiah, 86/71

تعلیمھم الفرائض: والدین کو چاہیے کہ بچے کے لیے احکام واخلاق اور فرائض وواجبات کی تعلیم کا اہتمام کریں۔

نھیھم عن القبائح: والدین اپنی اولاد کو برائیوں سے منع کریں اور نیکی کا حکم دیں اس لیے کہ وہ بچوں کے سب سے زیادہ قریب اور ان پر خاص اثر رکھتے ہیں۔

حثھم علی افعال الخیر: والدین پر واجب ہے کہ بچے کو کار خیر جیسے صدقہ و خیرات، بزرگوں کے لیے تواضع، سچ بولنے اور ہمیشہ تلاش حق کے لیے ترغیب دیں۔

یہ چار کام ایسے ہیں جن کا قرآن حکیم نے "**قُوا اَنفُسِکُم وَاَھلِیکُم نَاراً**" کی صورت میں حکم دیا ہے۔[24]

لہذا قرآن حکیم کا تصور تربیت اولاد مکمل طور پر واضح ہے کہ والدین بچوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا حقیقی تابع فرمان بنانے کی سعی کریں۔

تربیت اولاد کا نبوی تصور:

قرآن کریم کی تعلیمات کا عملی مظاہرہ نہیں سیرت رسول ﷺ میں دکھائی دیتا ہے اور یہی آپ ﷺ کا کمال ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات محض نظری و فکری نوعیت کی نہیں ہیں بلکہ پہلے خود عمل کر کے عملی نمونہ پیش فرمایا۔ اور جہاں تک تربیت اولاد کا معاملہ ہے تو آپ ﷺ نے اس کے لیے والدین کو انتہائی ذمہ دار ٹھہرایا ہے، ارشاد فرمایا:

"مامن مولود الا یولد علی الفطرة فابواه یهود انه وینصر انه ویمجسانه۔"[25]

"ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا عیسائی یا مجوسی۔"

گویا رسول خدا ﷺ نے بالکل واضح الفاظ میں والدین کو یہ بات پہنچا دی ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے وہ ہر حوالے سے ذمہ دار ہیں وہ جیسا ماحول اپنے بچوں کو مہیا کریں گے اور جن اخلاقی قدروں کا عملی نمونہ اس نے سامنے پیش کریں گے بچے اسی اندازِ فکر و عمل کو لے کر پروان چڑھیں گے۔ اب یہ والدین پر منحصر ہے کہ وہ بچوں کو ایک سچا مسلمان بنانا چاہتے ہیں یا کچھ اور۔ اور ذمہ دار قرار دینے کا مطلب یہ ہوا کہ ماں باپ جوابدہ ہیں، انہیں اپنی اولاد کی تربیت کے حوالے سے مسئولیت کے مرحلے سے گزرنا ہوگا۔ کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

24۔ مجلسی، بحار الانوار، ۷۱/۸۶۔

Majlasi, *Bihār al Anwār*, 86/71

25۔ مسلم، الجامع الصحیح، باب معنیٰ کل مولد یولد علی فطرۃ، رقم الحدیث: ۶۷۵۵۔

Muslim, *Al Jāme al Sahīh*, Hadith: 6755

"کلکم راع و کلکم مسئول فالا مام راعٍ وھوا مسئول، والرجل راع علی اھله و ھو مسئول، و المراءۃ راعیة علیٰ بیت زوجھا و ھی مسئولة، و العبد راع علیٰ مال سیده و ھو مسئول، الا فکلکم راع و کلکم مسئول۔"[26]

"تم میں سے ہر ایک شخص نگران ہے اور ہر ایک سے پوچھا جائے گا پس حاکم نگران ہے اس سے پوچھا جائے اور ہر شخص اپنے اہل و عیال کا نگران ہے اور ان کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگران ہے، اس نے پوچھا جائے، غلام آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس بارے میں پوچھا جائے گا۔ پس تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کی زیرِ نگرانی چیز کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

یہ حدیث مبارکہ سورہ التحریم کی آیت نمبر ۶ کی تشریح قرار دی جاسکتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے والدین ہی کو اب بات کا مکلف ٹھہرایا ہے کہ اپنے نونہالوں کو اس طور پروان چڑھائیں کہ وہ آخرت میں جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں گے۔ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں بچے کی تعلیم و تربیت کی ابتداوقت پیدائش ہی سے ہو جاتی ہے چنانچہ امام ترمذی حضرت عبید اللہ بن ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"رایت رسول اللہ ﷺ اذن فی اذن الحسن بن علی حین ولدته فاطمه۔ بالصلوٰة۔"[27]

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب حضرت فاطمہؓ نے حسنؓ کو جنم دیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے کان میں نماز والی اذان میں کہی۔"

گویا بچے کو پیدائش کے وقت سے ہی اللہ اور رسول ﷺ کا مطیع و فرمانبردار بنانے کی طرف یہ پہلا قدم ہے۔ پھر اس کی پرورش اور رضاعت کی ذمہ داری اگر ماں خود اٹھارہی ہے، تو بھی، اور اگر اس مقصد کے لیے کوئی دوسری عورت اجرت پر رکھی جارہی ہے تو اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ نیک اور نماز روزہ کی پابند ہو، اس کے خیالات میں پاکیزگی ہو اور وہ

---

[26]۔ بخاری، محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب قوا انفسکم و اھلیکم نارا، الریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، الطبعة الثانیه ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۵۱۸۸۔

Bukhari, Muhammad bin Ismail, *Al Jāme al Sahīh*, Riyadh: Dar us Salam li Nashr wa al Touzī, 1999, Hadith: 5188

[27]۔ ترمذی، الجامع، ابواب الاضاحی، باب الاذان فی اذن المولود، رقم الحدیث: ۱۵۱۴۔

Tirmidi, *Al Jāme*, Hadith: 1514

رزق حلال کھانے والی ہو کیونکہ رزق حرام سے پیدا ہونے والے دودھ میں برکت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ابن کثیر یایھا الناس کلو۔۔۔الخ کی تفسیر میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ آیت تلاوت کی گئی تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ مجھے مستجاب الدعوات بنادے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے سعد اپنے کھانے کو پاکیزہ اور حلال رکھو تم مستجاب الدعوات بن جاؤ گے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے، ایک لقمہ حرام جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی عبادت قبول نہیں کرتا، جس بندے کا گوشت حرام مال سے پلا ہو وہ نار جہنم کے زیادہ قابل ہے۔[28]

قرآن و حدیث کے ذریعے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس طرح حرام کھانے کے برے اثرات انسان کے جسم اور قلب وذہن پر پڑتے ہیں ٹھیک اسی طرح رزق حلال کے مثبت اثرات انسانی قلب وذہن پر مرتب ہوتے ہیں۔ رزق حلال کے اثرات سے انسان کا دل نیکی کی طرف مائل رہتا ہے۔ اور انسان سے افعال مقبول سرزد ہوتے ہیں۔ الغرض اولاد کے معاملے میں والدین کو بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ان کے کھانے سے لے کر ہر ضرورتِ زندگی بھی رزقِ حلال سے ہی پوری کرنی چاہیے۔ اور اولاد کے اخلاق و کردار سے فکر و عقیدہ کی تربیت کرنے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہنا چاہیے تاکہ اولاد کی تربیت کی ذمہ داری کو احسن طریقے سے ادا کر سکیں۔

خلاصہ بحث:

اخلاقی ابہام، تیز رفتار تکنیکی ترقی، اور سماجی اصولوں کی نشوونما سے دوچار دنیا میں، اسلامی تعلیمات سے اخذ کردہ اصول والدین، معلمین اور پالیسی سازوں کے لیے یکساں رہنمائی اور استحکام کا ایک مینار پیش کرتے ہیں۔ اسلام تربیتِ اولاد بچے کی مکمل روحانی، اخلاقی، فکری اور سماجی طور پر پرورش کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ یہ بچوں کی فطری پاکیزگی اور والدین اور دیکھ بھال کرنے والوں کی ذمہ داری کو اجاگر کرتا ہے کہ وہ ان کی نیکی کی صلاحیت کو فروغ دیں۔ اخلاقی مخمصوں اور سماجی ٹوٹ پھوٹ کے شکار اس دور میں، اسلامی تعلیمات بچوں میں لچک، ہمدردی اور اخلاقی سالمیت پیدا کرنے کے لیے ایک مضبوط

[28] ۔ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، الریاض: دار الطیبہ للنشر والتوزیع، الطبعۃ الاولی ۱۹۹۷ء، ۳۱۸/۱۔

Ibne e Kathir, Ismail bin Umar, *Tafseer Al Qur'ān Al Azeem*, Riyadh: Dar ut Tayyebah li Nashr wa al Touzī, 1997, 318/1

فریم ورک فراہم کرتی ہیں۔مزید برآں، بچوں کی پرورش کے عصری طریقوں میں اسلامی اقدار کے انضمام کے لیے جدیدیت سے علیحدگی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ روایت اور اختراع کی ہم آہنگی کی ضرورت ہے۔ عصرِ حاضر کے تقاضوں اور چیلنجز کو پورا کرنے کے لیے اسلامی اصولوں کو اپناتے ہوئے، ہم ایسے ماحول پیدا کر سکتے ہیں جو بچوں کو اخلاقی، جذباتی اور فکری طور پر ترقی کرنے کے لیے بااختیار بنا سکے۔